ڈاکٹر میمونہ سبحانی

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبۂ اردو، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد

واجدہ تبسم، فرخندہ لودھی اور طاہرہ اقبال کے افسانوں کا تقابلی جائزہ (تانیثیت کے تناظر میں)

ABSTRACT

"Comparative Analysis of the fiction of Wajida Tabassum, Farkhanda Lodhi and Tahira Iqbal (In the perspective of Feminism)".

By Dr. Maimuna Subhani, Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.

Where the modern criticism in Urdu Literature has introduced new trends such as structuralism, post-structuralism, and new criticism, there the Feminism has raised its voice. too. The voice of modern criticism has given awareness to women that she has her own economic, political, and psychological status and character. It can be said that this movement acknowledged the entire and comprehensive existence of women. So that new human relationships would be found in the patriarchal system, which has created misunderstanding about women has been spread. Now those misunderstandings and distinctions should be eliminated. In Urdu literature especially the time period from Paraem Chand to Sajad Haider Yaldram, then from Sir Syed to Muntto and lead to other short story tellers they all identify this difference in society through their writings. Wajda Tabasum, Asmat Chughttai, Bano Qudsia, Attia Syed, Nilam Ahmad Basher, Khalda Hussain, Nilu far Iqbal, Jamila Hashmi, Farkhanda Lodhi and Tahira Iqbal are those short story tellers who identify the problems of women. I chose Wajida Tabasum, Farkhanda Lodhi and Tahira Iqbal from the world of short story tellers to present their ideology toward Feminism.

Keywords: Fiction, literature, Society, Women, Empowerment, Norms, Comparative Analysis

جدید تنقید نے جہاں نئی ساختیات، پس ساختیات، جدیدیت اور نئی تنقید جیسے رویوں کو اردو ادب میں روشناس کرایا وہاں تانیثیت یعنی فیمینزم کی بھی آواز بلند کرنے کی کوشش کی۔ جدید تنقید کی اس آواز نے عورتوں کو اس سے آگاہ کیا کہ اس معاشرے میں ان کا اپنا معاشی، سیاسی نفسیاتی شعور اور کردار ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس تحریک نے عورت کے تشخص کے مکمل وجود کو مان کر انسانی رشتوں کی ترتیب کو دوبارہ تلاش کیا تا کہ پدرسری معاشرے میں جو غلط فہمیاں عورت کے حوالے

سے پھیلائی جا چکی ہیں، ان کا سد باب کیا جا سکے۔

فیمینزم کا لفظ پہلی دفعہ انگلینڈ میں خواتین کی برابری کے حقوق کے لیے استعمال ہوا۔ فیمینزم کا ترجمہ، تانیثیت کے عنوان سے بھی ہوا ہے اور تانیثیت کا ترجمہ کچھ لوگوں نے نسائیت کے عنوان سے بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر آمنہ تحسین لکھتی ہیں کہ:

> ''Feminism کا لفظ ۱۸۹۱ء میں انگلینڈ میں خواتین کے مساویانہ حقوق کی لڑائی میں پہلی بار استعمال ہوا لیکن اس سے قبل ۱۸۵۰ء میں Britain میں عوامی سیاسی تحریکوں کے دوران اس لفظ کے استعمال ہونے کے نظریات بھی ملتے ہیں۔''(۱)

تانیثیت کے حوالے سے ابھرنے والی اس نمایاں آواز نے ہر طرف دھوم مچا دی۔ عورت کو دیکھنے کا انداز مختلف ہونے لگا اور یوں یہ رویہ اپنے مثبت نظریات سے قارئین کو متاثر کر کے آہستہ آہستہ ایک تحریک کی صورت اختیار کرتا چلا گیا جسے آج ہم حقوق نسواں یا ''آزادی نسواں'' کے نام سے جانتے ہیں۔

فاطمہ حسن کا خیال ہے:

> ''فیمینزم اس احساس کا نام ہے کہ معاشرے میں عورت مظلوم ہے اور اس کا استحصال کیا جاتا ہے اور اس صورت حال کو بدلنے کی شعوری کوشش کا نام فیمینزم ہے۔''(۲)

تانیثیت ایک آئیڈیالوجی فلسفہ و فکر اور نئے جدید فکری تنقیدی نظام سے وابستہ ہے۔ اور ان نظریات و فکر کی بنیاد اس نقطے پر ہے کہ عورت مرد کی سطح پر آ کر سوچے عورت کو معاشرے میں وہ مقام دیا جائے جس کی وہ مستحق ہے۔ اس تحریک نے عورت کی سماجی، مذہبی اور تہذیبی سوچ کو اثر انداز کیا۔ اس تحریک نے عورت کو اس کے شعور ذات سے آگاہی دی کہ وہ مرد کی اجارہ داری کو تسلیم نہ کریں اور انھیں صرف لذت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ سمجھا جائے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تحریک زور پکڑتی گئی اور مردانہ معاشرے میں عورت کے استحصال اور اس پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی جانے لگی۔ اردو شعر و ادب نے بھی اس موضوع کو اپنایا اور مختلف ادیبوں نے اس موضوع کے حوالے سے آواز بلند کی۔ تاہم عورت کی آزادی اور اس کے مساوی حقوق کا پہلا ادبی نعرہ ترقی پسند تحریک کے جھنڈے تلے ہوا جس کی وجہ سے عورتیں زندگی کے مسائل کو اپنے شعور اور زاویے سے پرکھنے لگیں۔ رشید امجد لکھتے ہیں:

> ''۱۹۳۶ء کی ادبی تحریک نے جہاں مرد اہل قلم کو متاثر کیا اور فکر و اسلوب کی نئی راہیں متعین کیں۔ وہاں خواتین کو بھی حیات و کائنات کے مسائل پر نئے زاویے سے سوچنے پر آمادہ کیا۔''(۳)

اردو افسانے کی دنیا میں مردوں میں خاص طور پر پریم چند (۱۸۸۰ء-۱۹۳۶ء) سے لے کر سجاد حیدر یلدرم

(۱۸۸۰ء۔۱۹۴۳ء) تک، پھر سرسید (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) کے دور سے لے کر منٹو (۱۹۱۲ء۔۱۹۵۵ء) تک اور ان کے بعد اہم آنے والے ادیبوں نے بھی عورت کے ساتھ ہونے والے ظلم، معاشرتی وطبقاتی کشمکش، غلامی سے نجات اور استحصالی قوتوں کے خلاف مزاحمت کو موضوع بنایا۔ بعض اوقات مختلف افسانہ نگاروں نے ایک ہی رجحان کو اپنایا لیکن زندگی کے مختلف زاویوں کو پیش کرتے گئے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ:

> ''منٹو عورت کی صدائے بے آواز بن کر مرد کی اخلاقیات کے خلاف احتجاج کرتا نظر آتا ہے نیز وہ ایسی عورت کو پیش کرنے کا آرزومند ہے جو برصغیر کی عورت کے دائمی اوصاف یعنی پاکیزگی، مامتا، پوجا اور وفاداری سے انحراف کر کے مرد کے سامنے ہو کر اپنے وجود کا اعلان کرلے۔''(۴)

خواتین افسانہ نگاروں نے بھی عورت کو موضوع بنایا اور ہر دور میں خواتین نے اپنی تخلیقات کے ذریعے اپنی نمائندگی کا احساس دلایا۔ خواہ وہ اصلاحی دور کا ہو یا رومانی یا ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہو۔ اردو افسانے میں عورت نمائندگی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن عورت کی حوصلہ افزائی بہت کم کی گئی کچھ ادبی لیٹریچر صرف یہ دیکھ کر ہی رد کر دیا گیا کہ یہ عورت کا لکھا ہوا ہے کیوں کہ اس معاشرے کے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ عورت نہ تو اچھا سوچ سکتی ہے اور نہ ہی اچھا لکھ سکتی ہے۔ لیکن اس قدر کم حوصلہ افزائی کے باوجود بھی عورت نے ہمت کا پیکر نہیں چھوڑا۔ اصلاحی دور میں لکھنے والی خواتین میں رشید النساء بیگم، اکبری بیگم (۱۸۶۷ء۔۱۹۲۸ء) اور محمدی بیگم (۱۸۷۹ء۔۱۹۰۸ء) کا نام قابل ذکر ہے۔ یہ خواتین مجموعی طور پر ڈپٹی نذیر احمد (۱۸۳۰ء۔۱۹۰۲ء) اور راشد الخیری (۱۸۶۸ء۔۱۹۳۶ء) سے متاثر تھیں لیکن چار دیواری کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھیں۔ ان عورتوں نے اپنی کہانیوں میں گھریلو زندگی اور گھر سے متعلق عورت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو موضوع بنایا جن کی بنیاد پر عورت استحصال کا شکار رہی۔ اس کردار سے ایک نئی عورت کا تصور ابھرا جو کہ بیسویں صدی کی ایک اہم ضرورت تھی۔ اسی دور میں کچھ ایسا ادب بھی تخلیق پایا جو سن بلوغت (Teenagers) کی اہم ضرورت تھا ان مسائل کا اظہار افسانوں کے علاوہ رسائل میں بھی ہمیں نظر آیا۔ سید وقار احمد رضوی رقم طراز ہیں:

> ''اردو کی ترقی میں خواتین کے رسالوں نے بھی حصہ لیا ان میں بعض رسالے حیدرآباد دکن سے نکلتے تھے۔ مثلاً رسالہ ''ہمجولی'' کی ایڈیٹر سیدہ بیگم خویشگی تھیں۔ رسالہ ''خیابان دکن'' کی ایڈیٹر صالحہ انصاف تھیں۔ رسالہ ''عصمت'' کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ راشد الخیری اس رسالے کی ایڈیٹر تھیں بعد میں ان کی بہو نازلی ہوئیں۔ یہ رسالہ خواتین کے لیے تھا اور اس میں خواتین مضامین لکھتی تھیں۔''(۵)

اصلاحی دور کے بعد رومانوی دور کا آغاز ہوا اس عہد میں عورت کو دیوی بنا کر پوجا گیا۔ عورت کو محبت کا

احساس دلایا گیا۔عورت کو اپنے وجود کا اپنے مرتبے کا احساس ہوا کہ وہ کتنی محترم ہے۔بیگم سجاد حیدر یلدرم رومانوی دور کی پہلی افسانہ نگار خاتون تھیں جنھوں نے اپنے افسانوں میں عورت کے آئیڈیل کو حقیقت سے زیادہ تخیل سے کام لیا۔ان کے علاوہ خالص رومانوی ادب لکھنے والوں میں مسز عبدالقادر(۱۸۹۸ء۔۱۹۷۶ء)اور حجاب امتیاز علی (۱۹۰۸ء۔۱۹۹۹ء)پیش پیش تھیں۔۱۹۳۶ء میں عورت کے حق کے لیے باقاعدہ آواز بلند کی گئی اس عہد کی اہم خواتین تخلیق کاروں میں رشید جہاں (۱۹۰۵ء۔۱۹۵۲ء)، رضیہ سجاد ظہیر(۱۹۱۸ء۔۱۹۷۹ء)،عصمت چغتائی (۱۹۱۵ء۔۱۹۹۱ء)، واجدہ تبسم (۱۹۳۵ء۔۲۰۱۰ء)، ہاجرہ مسرور(۱۹۳۰ء۔۲۰۱۲ء)، خدیجہ مستور(۱۹۲۷ء۔۱۹۸۲ء)،صدیقہ بیگم، جیلانی بانو کے نام قابل ذکر ہیں۔رشید جہاں نے اپنی کہانیوں میں عورت کی پسماندگی اور جہالت پر کڑی تنقید کی۔

رشید جہاں کے بعد جس ادیبہ نے ان کے موضوع کو اپنایا ان میں عصمت چغتائی قابل ذکر ہیں۔عصمت چغتائی ہم جنس پرستی، جاگیردارانہ ماحول میں عورت کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک، شادی کے نام پر لڑکی اور اس کے والدین کا استحصال جیسے موضوعات پر قلم اٹھایا۔عصمت چغتائی نے ایک خاص زاویہ نظر سے عورت کے کے اندر بغاوت کو ابھارا اور آزادی نسواں کی تحریک کو مضبوط بنایا۔عصمت کے ہاں بیسویں صدی کی عورت ہے جو اپنا حق حاصل کرنا جانتی ہے۔ڈاکٹر فردوس انور قاضی عصمت کے بارے میں اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں کہ:

> ''اپنی تمام تر بے سمتی اور بے مقصدیت کے عصمت نے ایک ایسے عہد میں جہاں عورتوں کو جنس کا نام لینے کی اجازت نہ تھی۔بڑی جرات کے ساتھ اس موضوع کو استعمال کیا۔عورت کی بے زبانی کو زبان عطا کی۔لوگوں کو عورتوں کے بارے میں آگاہ کیا اور ان کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔''(۶)

اسی دور میں اردو افسانے نے واجدہ تبسم(۱۹۳۵ء۔۲۰۱۰ء) جیسی بے باک عورت کو اپنایا۔حیدرآباد کی معاشرتی زندگی میں جن جنسی رویوں کو فروغ مل چکا تھا واجدہ تبسم نے ان کی عکاسی اپنے افسانوں میں۔واجدہ تبسم کے چار افسانوی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ان میں اترن، شہر ممنوع، توبہ توبہ اور نتھ کا بوجھ شامل ہیں۔جس تہذیب کی اچھائیاں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئیں لیکن مذہب کے نام پر جنسی زیادتی، کھوکھلا پن اور منافقتیں قائم رہیں۔اس سلسلے میں ان کا افسانہ لڑکی بازار قابل ذکر ہے۔

اس افسانے میں واجدہ تبسم نے دکن میں رہنے والے مولویوں کا پردہ چاک کیا جو مذہب کے نام پر دھوکا دیتے تھے، چار شادیاں تو کرتے تھے مگر نئی شادی پر چوتھی بیوی کو طلاق دے دی جاتی تھی۔اس لیے کہ پانچ بیویوں کی اجازت اسلام میں نہیں ہے۔مثلاً ''لڑکی بازار'' کا یہ اقتباس دیکھیے:

> ''ہم سے ایک سال میں کوئی بھول چوک ہوئی ہوتو ہم خود معافی مانگ لیتے مگر ہم کو

معلوم ہے کہ اس محل میں آپ کو کوئی دکھ نہیں پہنچا۔ خدا حافظ۔

سلیمہ بیگم۔ عمر ۱۴ سال

رئیسہ زمانی۔ عمر ۱۵ سال

قمر سلطانہ۔ عمر ۱۶ سال

پیاری بی۔ عمر ۱۳ سال

مبارک بیگم، زہرہ بی بی، فاطمہ بیگم، ثریا، نشاط آرا، مرزا صاحب نام پکارتے گئے اور نواب صاحب کے ہاتھوں میں طلاق نامے پکڑاتے گئے۔"(۷)

نوابی محلات میں پیدا ہونے والی پیچیدگیاں بڑی جرأت اور بے باکی سے واجدہ تبسم کے افسانوں کا موضوع بنتی چلی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے افسانے اترن، نولکھا ہار، طلاخ طلاخ قابل ذکر ہیں۔

واجدہ تبسم کے افسانے نولکھا ہار میں جنس پرستی اور حیدری آبادی کلچر کے ساتھ ساتھ رسوم و رواج کی بھرپور عکاسی اور دلچسپ تصویر کشی اس طرح ملتی ہے۔ لکھتی ہیں:

"پھر حویلی کا جان لیوا چلن یہ تھا کی لڑکیاں ان دنوں بھی اندر، کُرتوں کے اندر محرم وحرم کچھ بھی نہیں پہنتی تھیں۔ جو ہے بس سامنے ہے۔ ایسی آنچیں دیتی جوانی کہ سردیوں کی اس شام کو بھی جب ہزاروں لوگوں کا ہجوم تھا، اس ایک انگیٹھی کی بدولت سارا ماحول گرما گرم محسوس ہو رہا تھا۔"(۸)

واجدہ تبسم چوں کہ دکن کی رہنے والی تھیں اس لیے انھوں نے افسانوں میں وہاں کی زبان، رسوم و رواج، تہذیب، منافقت، جنس پرستی کو موضوع بنایا اور دکن میں رہنے والے مسلمانوں نے اپنے کلچر کے جو آثار چھوڑے ہیں ان کی عکاسی بہت اچھے طریقے سے کی ہے۔ واجدہ تبسم کے بقول:

"کسی بھی مجرم کو اپنے اعمال کا حساب اس وقت دینا پڑتا ہے جب اس پر فردِ جرم عائد کی جاتی ہے۔ میں کہاں کی مجرم تھی کہ مجھے صفائیاں دینے کی ضرورت پڑتی ہے؟ لیکن میری ہر کتاب چھپتے وقت مجھے کچھ ایسی صورتِ حال سے گزرنا پڑتا ہے جیسے میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی ہوں۔ خدا کا بے پناہ۔ شکر ہے اور فضل ہے کہ اس نے مقبولیت کی بے پناہ بلندیاں عطا کی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سنگساری بھی میرا مقدر رہی۔"(۹)

اردو افسانے میں عورت کے حقوق کے حوالے سے آواز بلند کرنے میں عورتیں اور مرد برابر تھے۔ ان ادیبوں نے

اپنے افسانوں میں جن موضوعات کو اپنایا فرخندہ لودھی (۱۹۳۷ء۔۲۰۱۰ء) نے بھی اپنے موضوعات انھی سے اخذ کیے کیوں کہ یہ ساری خواتین ہماری ادبی تخلیقی روایت کا بھی حصہ رہی ہیں۔فرخندہ لودھی چوں کہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں چیف لائبریرین رہ چکی تھیں اس سلسلے میں انھیں بہت سی کتابیاں پڑھنے کا موقع ملا۔فرخندہ لودھی ناول اور افسانے کے موضوعات اپنے عہد کے مطابق لیے اور اپنے زمانے کے ساتھ ساتھ چلیں جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان کے موضوعات بھی بدلتے گئے۔

فرخندہ لودھی کے افسانوں کا موضوع عورت بھی ہی رہی لیکن ان کے پانچ افسانوی مجموعوں (شہر کے لوگ، خوابوں کے کھیت، رومان کی موت، جب بجا کٹورا) میں جو عورت ہمیں نظر آتی ہے وہ اس لحاظ سے ان خواتین افسانہ نگاروں کی عورت سے مختلف ہے کہ وہ ایک مشرقی عورت بھی ہے لیکن ساتھ ساتھ اپنے حق کے لیے آواز بلند کرتی ہوئی بھی نظر آتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو صرف دوسروں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتی بلکہ خود جدوجہد کر کے اپنی منزل حاصل کرتی ہے۔فرخندہ لودھی چوں کہ نئی ادبی تنظیم کی رکن رہ چکی ہیں، اس لیے ان کے ہاں ادب کی تفہیم میں وہ مقصدیت نظر آتی ہیں۔ ان کے فن میں دانش موجود ہے لیکن شوخی نہیں پائی جاتی۔ ''گولڈ فلیگ'' فرخندہ لودھی کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں اس معاشرے کے معاشرتی گھٹن اور جبر کا شکار ہونے والے لوگ اپنے جنسی جذبات کی تسکین کی خاطر ہم جنسی کی منفی راہ پر چل کر آسودگی کی تلاش کرتے ہیں۔اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''آغاز گرما کی شام بڑی اجلی اور خوش بودار تھی۔ دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔ چھوٹی عورت نے دوسرے کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے سرد آہ بھری... یہ بُو تو مجھے بہت پسند ہے۔مس کوکب نے سر جھکا کر اس کے رخساروں کو چوما پھر اس کے ہونٹ سرکنے لگے دوسری کے ہونٹوں پر آ کر وہ یوں رک گئے جیسے غنودگی کے عالم میں چلتے چلتے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہو۔''(۱۰)

فرخندہ لودھی نے اپنے افسانوں میں عورت کے ایسے موضوع کو بھی اجاگر کیا ہے جہاں پر کچھ والدین اپنے بچوں کی شادیاں اس لیے نہیں کرتے کہ ان کی بیٹی کے ساتھ کوئی دوسرا مرد رہے گا جوان کی غیرت کو گوارا نہیں ہوتا اس لیے ان کے گھر کی لڑکیوں کی جس عمر میں شادی ہونی چاہیے وہ نہیں کرتے جس سے کچھ لڑکیوں کو ہسٹریا کے دورے پڑنے لگتے ہیں، جسے جن بھوت کا سایہ سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ یہاں ہمارا دم گھٹتا ہے۔

> ''عامل پھنکار کر پاؤں زمین پر مارے۔ ثریا نے تڑپ کر چادر دور پھینک دی اور اسماعیل کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔
>
> نہیں... آپ نہیں جائیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی...یہاں میرا دم گھٹتا ہے۔''(۱۱)

فرخندہ لودھی نے عورتوں کے مسائل کی عکاسی بہت خوبی سے کی ہے، وہ اپنے افسانوں میں صرف آرزوں اور تمناؤں کو پیش نہیں کرتیں بلکہ زندگی کی ان حقیقتوں کا انکشاف کرتی ہیں جو وہ اپنے چاروں طرف دیکھتی ہیں اور ان کے کردار وہی کچھ کرتے، کہتے نظر آتے ہیں جو وہ اپنی نظر سے مشاہدہ کرتی ہیں۔''بڑے بھیا'' ان کی ایک ایسی کہانی ہے جس میں روایتی بھائی کے غیظ وغضب کو دکھایا گیا ہے۔ جسے اپنی بہن کی خوشیوں کی کوئی پروانہیں اسے صرف اپنی عزت اور ناموس کی فکر ہے بہنوں پر اس قدر رعب اور دبدبہ تھا کہ بہنیں دعائیں مانگا کرتی تھیں کہ:

''اللہ بڑے بھیا رات تک گھر نہ آئیں۔''

اس کہانی کے آخری جملے بہت دردناک ہیں:

''میری حور جیسی بہن تو سچ مچ سچی تھی مگر تُو نے اچھا نہیں کیا۔ وہ مریم کی لاش والے پلنگ کا پایہ پکڑے بلک رہے تھے اور لاش پر پڑی سفید چادر رستے ہوئے لہو سے اپنے آپ ہولے ہولے داغ دار ہو رہی تھی۔''(۱۲)

اس کہانی میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اگر عورت سچی بھی ہو تو تب بھی اس کی سچائی کو کوئی قبول نہیں کرتا اور مرد خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے اسے خودکشی پر مجبور کر دیتا ہے۔فرخندہ لودھی نے اپنے تخلیقی ادب سے بار ہا اس بات کو اجاگر کیا ہے کہ عورت بھی اس معاشرے میں اتنی ہی اہمیت کی حق دار ہے جتنا کہ مرد ہے۔ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے ان موضوعات کو بیان کرنا ان کا نسوانی فریضہ ہے انھوں نے انسان کے باطن کے اندر دھڑکنے والی حقیقتوں کی نمائندگی کی ہے۔اور اس حقیقت کو آشکار کیا کہ تقسیم فسادات میں اور بعد میں بھی صنف نازک کے ساتھ سب سے زیادہ زیادتیاں ہوئیں۔ ان کا زادسفر وہ سچائیاں ہیں جو ہر قدم پر ہماری زندگیوں کا نظر افروز لباس تار تار کر دیتی ہیں ان کے افسانوں میں کرداروں کی محبت، ایثار، مامتا، قربانی اور دلیری وغیرہ سب نمایاں ہیں اور ان کی تشکیل میں کوئی غیر فطری عنصر نظر نہیں آتا۔

طاہرہ اقبال (۱۹۶۰ء) نے بھی اپنے افسانوں میں عورت کو مسائل کی خوب صورتی سے عکاسی کی ہے ان کے افسانوی مجموعوں میں ''سنگ بستہ''، ''گنجی بار''، ''مٹی کی سانجھ'' اور ''ریخت'' شامل ہیں۔انھوں نے اس حقیقت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت اپنا تقدس ماں، بہن اور بیٹی کے دائرے میں رکھ سکتی ہے۔لیکن جیسے ہی اس دائرے سے باہر قدم نکالتی ہے یہ معاشرہ اسے ''فاحشہ'' بنا دیتا ہے۔ اس نقطہ کو اجاگر کرتے ہوئے طاہرہ اقبال نسائی حقوق کو ضبط کرنے والے رویوں کے خلاف سراپا احتجاج بنتی ہیں۔ دیہات کی عورت کی عکاسی ان کا بنیادی موضوع ہے جو مختلف معاشرتی برائیوں کا شکار ہے۔ ان کے ہاں عورت مرد کے ظلم سہتی ہے مگر اس ظلم کے خلاف آواز بھی بلند کرتی ہے۔ ان کے افسانے شب خون کا اقتباس ملاحظہ کریں:

''میرا جوڑ پیدا ہو چکا ہے اور میں اس جاگیر پر تھوک کر جا رہی ہوں اور آہنی دریا پار

کر گئی۔''(۱۳)

طاہرہ اقبال کا افسانہ ''تپسیا'' بھی اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ عورت عورت کی اکثر دشمن بن جاتی ہے مگر عورت اگر ہمت دیکھائے تو وہ ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔ ان کے افسانوں میں مرقد شب، یہ عشق نہیں آساں، خواب کہانی میں بھی عورتوں کے موضوعات کی عکاسی بہت خوبی سے کی گئی ہے۔طاہرہ اقبال نے اپنی کہانیوں میں یہ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ معاشرے بہت سے مرد اپنی ہوس کو عزت کا نام دیتے ہیں، کیا عورت کی زندگی اتنی سستی اور غیر اہم ہے کہ ہر مرد اس کی عزت سے کھیل لے۔ مرد کی چند منٹ کی عیاشی عورت کی پوری زندگی کو تماشا بنا دیتی ہے۔جس طرح اس معاشرے میں مرد کی عزت اور مقام ہے اسی طرح عورت کی بھی اس معاشرے میں عزت ہے۔

طاہرہ اقبال اپنے افسانے ''عزت'' میں بھی اس نقطہ کو اس طرح اجاگر کرتی ہیں

> ''چوہدری برچھی لہراتا واپس پلٹا اور برچھی کی نوک بڑھا کر بانو کی کھڑکی کا پٹ مار دیا۔چوہدری نے برچھی اچھال کر صحن میں پھینکی جو کہ کمر تک زمین میں دھنس کے کماد کے باندے کی طرح لرزنے لگی بانو اٹھی تو برچھی کی دھار سے لرزتے بدن کی تینوں بلبلا کر یکبارگی بیدار ہوئی چوہدری نے حلق نگلتی گھر گھراہٹ تلووں تلے پیس ڈالی۔ وہ پوچھے تو کہنا صفدر اپھر کر چلا گیا تھا۔''(۱۴)

طاہرہ اقبال اپنے افسانوں میں ہمیشہ حقیقت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی انھوں نے ہر کردار اور واقعات کو حقیقت کی نظر سے دیکھا ہے اور اپنے مشاہدے اور شعور سے اس کی تہہ تک جانے کی کوشش کی ہے۔

ان تینوں افسانہ نگاروں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان تینوں نے عورت کے حقوق، معاشرتی استحصال، معاشرتی ناانصافی جیسے مسائل کو اجاگر کیا۔لیکن اس کے باوجود ہمارے ملک کے بہت سے علاقوں میں عورت ابھی تک مختلف مسائل کا شکار ہے۔ آج بھی سندھ، بلوچستان اور پنجاب کے چند علاقوں میں عورت کو کہیں ''ستی'' کہیں ''کاروکاری'' اور کہیں ''ونی'' کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے حق کے لیے آواز بلند کرے تو ''قرآن پاک'' سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے یا اسے مختلف طرح کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ڈاکٹر ہارون قادر لکھتے ہیں :

> ''مغرب میں عورت کے نفسیاتی مسائل اور مردوں کے ریلیشن شپ پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور مشرق کے رویے زیادہ تر عورت کی سماجی آزادی کے گرد گھومتے ہیں۔''(۱۵)

واجدہ تبسم نے اپنے افسانوں میں اس وقت کی دکنی معاشرت وتہذیب کی عکاسی کی اور ساتھ ساتھ اس دور کے محلات میں رہنے والی خواتین کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا اس کا اظہار بھی برملا ان کے افسانوں میں دکھائی دیتا ہے۔فرخندہ لودھی نے بھی عورت کے مسائل کی عکاسی کی۔ ان کے افسانوں کی عورت مشرقی عورت ہے جو اپنے حقوق کے لیے آواز بلند

کرتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو دوسروں کے آسرے پر نہیں چھوڑتی بلکہ جدوجہد کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ طاہرہ اقبال نے اپنے افسانوں میں ایسی عورت کو زیادہ نمایاں کیا ہے جو مرد کے ظلم و ستم کا شکار ہے اور اس ظلم میں اکثر اوقات عورت ہی عورت پر ظلم کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ عورتوں کے مسائل پر قلم اٹھانے کا یہ فائدہ ہوا کہ اب معاشرے میں ہر سطح پر رہنے والی عورت اپنے حقوق سے کافی حد تک آگاہ ہو چکی ہے۔ عورت ملک و قوم کی ترقی میں مرد کے شانہ بشانہ نہ صرف کام کر رہی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آنے والی نسل کے لیے اچھا ادب بھی تخلیق کر رہی ہے۔ خواتین معاشرے میں اپنی الگ پہچان رکھنے کا اتنا ہی حق رکھتی ہیں جتنا کہ مرد خود کو حقدار سمجھتے ہیں۔ آج عورت کو اپنی انفرادی شناخت کا شعور حاصل ہے اور یہی شناخت اور شعور اسے کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔ موجودہ دور میں ہونے والی قانون سازی اور اعلیٰ سطح پر عورت کی شنوائی ہونا اس جہت تک پہنچنے میں مختلف عوامل کارفرما رہے جن میں سے ایک عورت کے لیے آواز اٹھانے والی یہ توانا قلم بھی ہے جس کے درست اور باوقار استعمال سے ایک مثبت اور معتدل معاشرہ ترتیب دیا جا رہا ہے۔

حواشی

١۔ ڈاکٹر آمنہ تحسین، مطالعاتِ نسواں، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ٢٠٠٨ء)، ص ٩٤

٢۔ فاطمہ حسن، فیمینزم اور پاکستانی عورت، مشمولہ فیمینزم اور ہم، (کراچی: وعدہ کتاب گھر، ٢٠٠٥ء)، ص ١٣

٣۔ رشید امجد، پاکستانی اردو شاعرات، مشمولہ عبارت، راولپنڈی، دھنک پبلی کیشنز پرنٹرز، ١٩٩٧ء، ص ١٠٠

٤۔ ڈاکٹر وزیر آغا، منٹو کے افسانوں میں عورت: پس ساختیاتی مطالعہ، مشمولہ مابعد جدیدیت: اطلاقی جہات (حصہ دوم)، مرتبہ: ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، (لاہور: بیکن بکس، ٢٠١٥ء)، ص ١٧٣

٥۔ پروفیسر ڈاکٹر سیّد وقار احمد رضوی، اردو کی ترقی میں خواتین کا حصہ، مشمولہ ماہ نامہ اخبارِ اردو، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، نومبر ٢٠٠٥ء)، ص ٣

٦۔ ڈاکٹر فردوس انور قاضی، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ١٩٩٠ء)، ص ٣٣٢

٧۔ واجدہ تبسم، توبہ توبہ، (لاہور: نیا ادارہ، ١٩٦٧ء)، ص ١٤٩

٨۔ آصف نواز، واجدہ تبسم کے بہترین افسانے، (لاہور: مکتبۂ عالیہ، ١٩٥١ء)، پہلا ایڈیشن، ص ١١٧

٩۔ واجدہ تبسم، میری فرد جرم مشمولہ شیز گام، نئی دہلی، واجدہ تبسم نمبر، ستمبر ١٩٧٩ء، ص ٥٧

١٠۔ فرخندہ لودھی، شہر کے لوگ، (لاہور: الحمرا اکیڈمی، ١٩٦٥ء) ص ١٢۔ ١٣

١١۔ ایضاً، ص ١٤٧

١٢۔ ایضاً، آرسی، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ١٩٧٦ء)، ص ١٠٥

١٣۔ طاہرہ اقبال، سنگ بستہ، (فیصل آباد: قرطاس پبلی کیشنز، ١٩٩٩ء)، ص ٣٢

١٤۔ ایضاً، گنجی بار، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ٢٠٠٨ء)، ص ٦٢

١٥۔ ڈاکٹر ہارون قادر، اردو ادب میں فیمینزم: تحقیقی مطالعہ مشمولہ تحقیق نامہ، لاہور، شمارہ: ١١، جی سی یونی ورسٹی،

۲۰۱۲ء)، ص ۳۸

مآخذ:

(۱) تحسین، آمنہ، ڈاکٹر، مطالعاتِ نسواں، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء

(۲) حسن، فاطمہ، فیمینزم اور پاکستانی عورت، مشمولہ فیمینزم اور ہم، کراچی: وعدہ کتاب گھر، ۲۰۰۵ء

(۳) آغا، وزیر، ڈاکٹر، منٹو کے افسانوں میں عورت: پس ساختیاتی مطالعہ، مشمولہ مابعد جدیدیت: اطلاقی جہات (حصہ دوم)، مرتبہ: ڈاکٹر ناصر عباس نیرّ، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۵ء

(۴) قاضی، فردوس انور، ڈاکٹر، اردو افسانہ نگاری کے رجحانات، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء

(۵) تبسم، واجدہ، توبہ توبہ، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۷ء

(۶) نواز، آصف، واجدہ تبسم کے بہترین افسانے، لاہور: مکتبۂ عالیہ۔۱۹۵۱ء، پہلا ایڈیشن

(۷) لودھی، فرخندہ، شہر کے لوگ، لاہور: الحمرا اکیڈمی، ۱۹۶۵ء

(۸) ـــــــ، آرسی، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۷۶ء

(۹) اقبال، طاہرہ، سنگ بستہ، فیصل آباد: قرطاس پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء

(۱۰) ـــــــ، گنجی بار، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۶۲

رسائل:

(۱) عبارت، راولپنڈی، دھنک پبلی کیشنز پرنٹرز، ۱۹۹۷ء

(۲) ماہ نامہ اخبارِ اردو، اسلام آباد، نومبر ۲۰۰۵ء،: مقتدرہ قومی زبان

(۳) شیز گام، نئی دہلی، ستمبر ۱۹۷۹ء واجدہ تبسم نمبر

(۴) تحقیق نامہ، لاہور، شمارہ:۱۱، جی سی یونی ورسٹی، ۲۰۱۲ء